محمد علی اثر *

اُردو کا پہلا نثری رسالہ اور اس کا مصنف

اُردو زبان وادب کی تاریخ میں یہ مسئلہ ایک طویل عرصے سے زیرِ بحث رہا ہے کہ اُردو کے پہلے نثری رسالے اور اُس کے مصنف کا نام کیا ہے؟ جس طرح اردو شاعری کے فروغ وارتقا اور سرپرستی کے سلسلے میں عادل شاہی اور قطب شاہی حکمرانوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہے بالکل اُسی طرح قدیم اردو نثر کی ترویج واشاعت میں سلاطینِ دکن سے زیادہ روحانی تاج داروں اور مذہبی پیشواؤں کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ نیز دبستانِ گولکنڈہ کے مقابلے میں دبستانِ بیجاپور کے صوفیاے عظام اور خصوصاً خانوادۂ میراں جی شمس العشاق کے مذہبی رہنماؤں کو سبقت اور فضیلت حاصل ہے۔ ان بندگانِ خدا نے سرزمینِ بیجاپور میں کم وبیش تین صدیوں تک، مختلف صوفیانہ افکار، شرعی احکام اور مذہبی مسائل کے موضوع پر دکنی نثر میں، متعدد رسائل اور کتابیں تصنیف کر کے یہاں کے عوام وخواص کے دلوں پر حکمرانی کی۔

اُردو میں نثری رسائل اور کتابوں کی باقاعدہ تصنیف وتالیف سے قبل مختلف اہل اللہ اور مذہبی مبلغین کے ملفوظات میں بار پانے والے اردو فقرے اور جملے درحقیقت اردو نثر کی خشتِ اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ہی مختصر اقوال اور جملوں کی بنیاد پر مستقبل میں اردو نثری تصانیف کی عمارت استوار کی گئی۔ ڈاکٹر گیان چند نے اپنی مؤلفہ شراکتی تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک میں ''اردو نثر ۱۶۰۰ء تک'' کے عنوان سے اردو نثر کے اولین نمونوں کی نشاندہی کی ہے۔ اور چوبیس اولیاے کرام اور صوفیوں کے ملفوظات سے متعدد اقوال اور فقرے نقل کیے ہیں۔[۱]

بنیاد جلد چہارم ۲۰۱۳ء

۳۷ محمد علی اثر

پروفیسر حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ سید اشرف جہانگیر سمنانی (م۔۸۰۰ء) کا ایک رسالۂ تصوف اردو کی پہلی نثری کتاب ہے۔[۲]

حضرت اشرف ایک صوفی بزرگ تھے۔ انھوں نے ۲۳ سال کی عمر میں سمنان کی بادشاہت کو خیر باد کہہ کر درویشی اختیار کر لی تھی۔ ہندوستان میں آپ نے کچھوچھہ (اودھ) کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ اور یہاں کے علمائے دین اور روحانی پیشواؤں سے ظاہری علوم اور باطنی فیوض و برکات حاصل کیں۔ حامد حسن قادری نے اپنی کتاب داستان تاریخ اردو میں اپنے اس دعوے کی دلیل میر نذر علی درد کاکوروی کے ایک مقالے ''اردو اور شمالی ہند'' پر قائم کی، جو لاہور کے رسالے یاد گار میں شائع ہوا تھا۔ میر نذر علی نے لکھا ہے کہ اشرف جہانگیر کا مذکورہ رسالہ انھوں نے اورنگ آباد میں آستانۂ شاہ قادر اولیا کے ایک خدمت گزار محبوب علی شاہ کے یہاں دیکھا تھا، جس کا انھوں نے صرف دو سطری اقتباس پیش کیا ہے۔ اس اقتباس کی زبان قدیم معلوم نہیں ہوتی اور اب یہ کتاب ناپید ہے۔ اردو کی اولین تصنیف ہونے کے سلسلے میں اس رسالے کے بابت پیش کیے گئے سارے دلائل بھی ضعیف ہیں۔ بابائے اردو نے اس رسالے کے اصلی ہونے میں بھی شک و شبہے کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا یہ رسالہ اردو نثر کی پہلی تصنیف نہیں ہو سکتا۔

حکیم شمس اللہ قادری نے شیخ عین الدین گنج العلم (۷۰۶تا۷۹۹ھ) کو اردو کا پہلا نثر نگار قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت نے دکنی میں کئی چھوٹے بڑے رسالے لکھے تھے، جو ایک جلد میں فورٹ جارج کالج کے کتب خانے میں موجود تھے۔ جملۂ دکنی میں چالیس اوراق پر مشتمل اس مخطوطے میں تین رسالے تحریر کیے گئے تھے، جن میں فرائض و سُنن کے مطابق احکام و مسائل قلمبند کیے گئے تھے۔[۳]

شیخ عین الدین دہلی کے متوطن تھے۔ روحانی علوم کی تکمیل کے سلسلے میں گجرات اور دولت آباد کا سفر کیا۔ اور پھر ۷۴۳ھ میں بیجاپور میں مقیم ہو گئے۔ شمس اللہ قادری کا محولہ بالا بیان اس لیے نا قابل قبول ہے کہ موصوف نے گنج العلم کی تحریر کا کوئی نمونہ پیش کیا ہے اور نہ ان رسائل کے سنہ تصنیف کی واضح طور پر نشان دہی کی۔ اب ان رسائل کا وجود بھی نہیں۔ بقول ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، حکیم صاحب نے انھیں یہ بات بتائی کہ یہ رسائل ۷۲۵ھ کی تحریر ہیں۔[۴]

مولوی عبدالحق نے خواجہ بندہ نوازؒ گیسو درازؒ سے منسوب رسالے معراج العاشقین کو حضرت

کی تصنیف مان کر اسے پہلی بار ۱۹۲۴ء میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ بابائے اردو کے بعد اس کتاب کو گوپی چند نارنگ اور خلیق انجم نے بھی مرتب و شائع کیا۔ یہ کتاب ایک عرصے تک ہندوستان بھر کی مختلف جامعات میں شامل نصاب رہی۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ عثمانیہ کے مشہور محقق اور نقاد ڈاکٹر حفیظ قتیل نے معراج العاشقین اور اس کا مصنف کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں ڈاکٹر قتیل نے معراج العاشقین کے خواجہ صاحب سے انتساب کی مدلل طور پر تغلیط کرتے ہوئے اس کتاب کو حضرت مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری کے نثری رسالے تلاوت الوجود کی نامکمل تلخیص قرار دیا۔ معراج العاشقین کے علاوہ اردو ادب کی تواریخ میں خواجہ صاحب سے منسوب اور بھی نثری رسالوں کے نام ملتے ہیں۔ جیسے شکار نامہ، سہ بارہ، دُرالاسرار، ہدایت نامہ، تشریح کلمۂ طیبہ، تلاوت المعراج، تمثیل نامہ، ہشت مسائل وغیرہ۔ ان میں سے اول الذکر رسالے شکار نامہ کو ڈاکٹر ثمینہ شوکت اور ڈاکٹر مبارز الدین رفعت نے خواجہ صاحب کی تصنیف مان کر ۱۹۶۲ء میں علاحدہ علاحدہ طور پر شائع کیا۔ بقول ڈاکٹر گیان چند شکار نامہ اب تک چار بار چھپ چکا ہے۔[۵]

معراج العاشقین کی طرح خواجہ صاحب سے منسوب یہ دوسرا اہم اور مقبول نثری رسالہ تھا۔ جس کے متعلق زور صاحب نے لکھا تھا کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ (شکار نامہ) بندہ نواز نے اردو میں نہیں لکھا؛ بلکہ ان کے مرید یا معتقد نے قلمبند کیا''۔[۶]

ڈاکٹر حسینی شاہد نے اس رسالے کی اندرونی شہادتوں کی مدد سے خواجہ صاحب سے اس کے انتساب کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: ''شکار نامہ کا بندہ نواز سے انتساب معراج العاشقین کے انتساب سے زیادہ کم زور ہے''۔[۷] شاہد صاحب کے خیال میں فارسی شکار نامے کے مترجم بندہ نواز نہیں بلکہ شاہ معظم ہیں۔[۸]

جہاں تک بندہ نواز سے منسوب دیگر تمام رسائل کا تعلق ہے۔ حضرت کے مرید سید محمد علی سامانی نے اپنی تصنیف سیر محمدی میں خواجہ صاحب کی فارسی اور عربی چھتیس تصانیف کی فہرست دی ہے۔ جن میں سے کوئی بھی کتاب دکنی اردو میں نہیں۔ نیز بندہ نواز کے پوتے سید یداللہ حسینی کی روایت سے عبدالعزیز بن شیخ ملک نے تاریخ حبیبی و تذکرۂ مرشدی تصنیف کی تھی، جس میں موصوف نے حضرت گیسو درازؒ کی

سوانح حیات تحریر کی ہے۔اس میں بھی حضرت کی کسی دکنی تصنیف کا ذکر نہیں ملتا۔اگر ہم خواجہ بندہ نوازؒ سے منسوب سارے نثری رسائل کو نظر انداز کر دیں تو بھی بحیثیت شاعر آپ کے مقام و مرتبے سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔بحیثیت دکنی اردو کے اولین شاعر خواجہ صاحب کی ادبی شخصیت کل بھی مسلّم تھی اور آج بھی نا قابل تردید ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری اور چند دوسرے ادبی مورخین نے بیجاپور کے اولین صوفی شاعر حضرت شمس العشاق کو بھی قدیم دکنی کے اولین نثر نگار اور شاعر قرار دیا ہے۔ چناں چہ حکیم صاحب نے حضرت میراں جی کے دونثری رسالے جلترنگ اور گل باس کا تذکرہ ان کی مختلف صوفیانہ اور عارفانہ نظموں کے ساتھ کیا ہے۔اس کے علاوہ شرح مرغوب القلوب ،سب رس اور سبع صفات نامی رسائل کو بھی شمس العشاق سے منسوب کیا ہے۔لیکن جدید تحقیق کے بموجب اولین دو رسائل نا پید ہیں اور آخر الذکر کتاب بھی شمس العشاق کی تصنیف نہیں۔

جدید تحقیق کی روشنی میں حضرت میراں جی شمس العشاق کے فرزند اکبر اور خلیفہ شاہ برہان الدین جانم دکنی اردو کے سب سے پہلے اور مستند نثر نگار ہیں۔حضرت کے رسالے کلمۃ الحقائق کو اردو کی سب سے پہلی نثری تصنیف کا شرف حاصل ہے۔آپ کا سلسلہ رُشد و ہدایت دکن کے مشہور صوفی اور بلند پایہ عالم حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے ملتا ہے۔

جہاں تک جانم کی دیگر نثری تصانیف کا تعلق ہے،اس موضوع پر اظہار کرنے والوں میں،محمد اکبر الدین صدیقی،ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ،ڈاکٹر نذیر احمد،ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر گیان چند کے نام قابل ذکر ہیں۔محمد اکبر الدین صدیقی نے جانم کے نثری رسالے کلمۃ الحقائق کو ۱۹۶۱ء میں مرتب کر کے شائع کیا تھا۔اس کتاب کے مقدمے میں انھوں نے جانم کی دیگر تصانیف کی نشان دہی نہیں کی۔البتہ ۱۹۷۱ء میں جب انھوں نے جانم کی ایک اور منظوم تصنیف ارشاد نامہ شائع کی تو اس میں جانم کے درجِ ذیل نثری رسائل کے نام لکھے ہیں:

(۱)مقصود ابتدائی (۲)کلمتہ الاسرار (۳)ذکر جلی (نثری ارشاد نامہ) (۴)معرفت القلوب (۵) ہشت مسائل (۶) کلمۃ الحقائق۔

کلمۃ الحقائق کو ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی ۱۹۶۱ء ہی میں شائع کیا،جس کے مقدمے میں انھوں نے اکبر الدین صدیقی کی دی ہوئی فہرست کے مقابلے میں ایک نثری رسالے رسالۂ تصوف کا اضافہ کیا ہے۔ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے مقالے ''اردو ادب عادل شاہی دور میں''،مشمولہ علی گڑھ تاریخ ادب اردو جلد اول (۱۹۶۲ء) میں شاہ برہان کے پانچ نثری رسائل کی نشاندہی کی ہے،جن میں کلمۃ الاسرار شامل نہیں۔البتہ ایک اور نثری رسالے مجموعۃ الاشیا کا نام شامل ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو کی پہلی جلد (۱۹۷۵ء) میں حضرت جانم کے صرف دونثری رسائل کلمتہ الحقائق اور رسالہ وجودیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک کی دوسری جلد (۱۹۹۸ء) میں حضرت جانم سے منسوب مذکورہ بالا تمام نثری رسائل کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے کلمۃ الحقائق کو بالیقین سو فیصدی جانم کی تصنیف مانا ہے۔ان کے خیال میں ارشاد نامہ نثر (ذکر جلی)، مقصود ابتدائی اور مجموعۃ الاشیا کو جانم کی تصانیف تسلیم کرنے میں ٹھوس دلائل موجود ہیں اور کلمۃ الاسرار' رسالہ وجودیہ' ہشت مسائل اور رسالۂ تصوف بالیقین جانم کے رسائل نہیں ہیں۔[۹]

کلمۃ الحقائق : اس رسالے کے درج ذیل تمہیدی جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسے جانم کے کسی مرید یا عقیدت مند نے خاص اہتمام سے مرتب کر دیا تھا۔

> ایں کتاب کلمۃ الحقائق گفتار حضرت شاہ برہان صاحب قدس سرہٗ العزیز تصنیف کردہ است۔[۱۰]
>
> ہذا کتاب قطب الاقطاب حضرت شاہ برہان العارفین قدس اللہ سرہٗ العزیز تصنیف کردہ اند۔[۱۱]

کلمۃ الحقائق میں تصوف و عرفان کے دقیق مسائل سیدھی سادی زبان اور عام فہم الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔مثلاً خدا کی ذات وصفات، ابتدا و انتہا، تقدیر و تدبیر، فنا و بقا اور دوسرے متصوفانہ مسائل پر سوال و جواب کی شکل میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ برہان الدین جانم نے اس میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی اور احادیث بھی نقل کی ہیں اور مطالب کی تشریح کے سلسلے میں مشہور صوفیہ، مولانا رومی اور ابوبکر شبلی کے اقوال بھی درج کیے

ہیں اور کہیں کہیں سنسکرت اور ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور ہندو فلسفے کی اصطلاحوں کو اسلامی فلسفے سے ملانے کی کوشش بھی کی ہے۔ مرید سوال پوچھتا ہے اور مرشد اس کا جواب دیتے ہیں۔ دکنی اور فارسی جملوں کا امتزاج سوال اور جواب دونوں میں نظر آتا ہے۔ مصنف دکنی عبارت لکھتے لکھتے فارسی جملے تحریر کرنے لگتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے دکنی کے مقابلے میں فارسی زبان پر زیادہ عبور حاصل ہے۔ اس لیے کہیں ایک جملہ اردو میں ہوتا ہے تو اس کے آگے کی عبارت فارسی میں۔ کہیں جملے کی ابتدا فارسی سے ہوتی ہے اور اختتام اردو میں جیسے

> در منزل ملکوت حال کیوں دسے گا ایں نام بر ہریک صفت تعلق دھرتا ہے

اسی طرح کہیں جملے کا آغاز دکنی میں ہوتا ہے اور اختتام فارسی میں

> ان کے سیوک میں رنگ لال پیدا شد وہاں کا مراقبہ و مشاہدہ چیستاس دل کی بزرگی کے را نہایت نہ رسد

کلمة الحقائق کو دکنی نثر کی تاریخ میں کئی امتیازات حاصل ہیں۔ اس کا اوّلین وصف یہ ہے کہ یہ دکنی نثر کا سب سے پہلا اور ایک ایسا مستند رسالہ ہے، جس کے مصنف کے بارے میں اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معراج العاشقین خواجہ بندہ نوازؒ کی تصنیف نہیں بلکہ بارھویں صدی ہجری کے ایک اور صوفی بزرگ مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری کی تلاوت الوجود کا خلاصہ ہے۔ دوسرے یہ کہ خواجہ بندہ نوازؒ سے امین الدین اعلیٰ (۸۰۱ھ۔۱۰۸۶ھ) تک جتنے نثری رسائل تصنیف کیے گئے ہیں ان میں کلمة الحقائق سب سے ضخیم ہے۔[۱۲] محمد اکبر الدین صدیقی کا مرتبہ متن کراون سائز کے ۸۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ تیسرے یہ کہ قدیم دکنی کے دیگر رسائل کے مقابلے میں کلمة الحقائق کے تمام نسخوں میں کوئی ایسا اہم اختلاف نظر نہیں آتا جس سے اس کے متن کی صوری و معنوی حیثیت میں کوئی تغیر و تبدل وقوع پذیر ہو۔

کلمته الحقائق کو محمد اکبر الدین صدیقی اور ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے جولائی ۱۹۶۱ء میں بالترتیب ادارۂ ادبیات اردو اور مجلس تحقیقات اردو حیدر آباد کی جانب سے شائع کیا۔ صدیقی صاحب کی مرتبہ کلمة الحقائق کو رفیعہ سلطانہ کی کتاب سے صرف دو دن کا تقدم حاصل ہے۔ دونوں مرتبین کے پیش نظر اس رسالے کے چار چار قلمی نسخے رہے ہیں۔ جن میں کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ اور ادارۂ ادبیات اردو کے نسخے مشترک ہیں۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے اس رسالے کے مزید چار نسخوں کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

> دونوں متن رواروی میں مرتب ہوئے ہیں اور ان میں متنی تنقید کے بنیادی اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔[۱۳]

کلمة الحقائق کے سنہ تصنیف کے بارے میں برہان الدین جانم نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ تاہم اس کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ یہ ارشاد نامہ (۹۹۰ھ) کے بعد کی تصنیف ہے کیوں کہ اس میں جگہ جگہ ارشاد نامہ کے اشعار نقل کیے گئے ہیں اور متعدد اشعار کو نثر کر کے لکھا گیا ہے۔ جو مسائل اور موضوعات ارشاد نامہ میں جس انداز میں نظم کیے گئے ہیں انھیں کلمة الحقائق میں اسی انداز میں منثور کر کے پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کلمة الحقائق کی ابتدا ہی میں یہ عبارت ملتی ہے۔

> اللہ کرے سو ہوے کہ قادر توانا توے کہ او قدیم القدیم اس قدیمی کا بھی کرنہار سہج سہج سو تیر اٹھارو سہج توج تھے بار۔ جد ہاں کچھ نہ تھا بھی تمہیں دوجا شریک کوئی نہیں۔ ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں (کوے) جس پر کرم خدا کا ہوے۔ سبب یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمة الحقائق خلاصہ بیان۔[۱۴]

یہ عبارت دراصل مثنوی ارشاد نامہ کے درج ذیل اشعار کا دو ایک لفظوں کی تبدیلی کے بعد نثری روپ ہے۔

پہلے اس پر لیاوے ایمان	اللہ کرے سو ہوے جان
قدیم القدیم آچھے وو	بعداز رچنا رچے وو
قدیم جدید ہے اس تھے سب	ایسا قدرت کیرا رب
سہج سہج سو اس کا ٹھار	سہج ہوا ہے اس تھے بار
جد کچھ نہ تھا، تھا وو ہی	شریک نا اس دوجا کوئی
ایسا حال جے سمجے کوے	جس پر کرم خدا کا ہوے
یہ سب گجری کیا بیان	کر یہ آئینہ دین نمان
کلمہ حق سب کیا بیاں	دیکھ خلاصہ ہوے عیاں[۱۵]

کلمة الحقائق چوں کہ اردو نثر کا اولین رسالہ ہے اور اس کے مصنف کے سامنے دکنی نثر کا کوئی نمونہ نہیں ہے اس لیے جگہ جگہ وہ اس کی عبارت کو منظوم ارشاد نامہ کی مدد سے آگے بڑھاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ

نثر کے درمیان بار بار موزوں فقرے بھی آجاتے ہیں۔جیسے

اس جان پنے کوں مرگ نہیں تو یہ سکت کیا تیری ہے

دکنی اور فارسی نظم ونثر کے امتزاج، قرانی آیات واحادیث، اقوال، دوہے اور اشعار کی شمولیت ونیز سنسکرت کے ادق الفاظ اور ہندو فلسفے کی اصطلاحوں کے استعمال کی وجہ سے کلمة الحقائق کی زبان گنجلک اور عسیر الفہم ہے۔لیکن جانم نے بعض مقامات پر عبارت میں زور پیدا کرنے کے لیے مقفٰی جملے بھی تحریر کیے ہیں، جو بہت ہی خوب صورت اور خوش آہنگ ہیں۔ بقول اکبرالدین صدیقی مصری کی ڈلیاں معلوم ہوتے ہیں۔جیسے:

> نہ آکار، نہ نرنکار، نہ جلال نہ جمال، نہ شوق نہ ذوق، نہ رنج نہ گنج، نہ جان نہ انجان، ولیکن جسے خدا لوڑے اسے راہ دیوے آفتاب تھے پڑے آگ یوں قدرت تھے عالم اٹھے جاگ جے کچھ ہمارے دل آوتا سواسی کا قدیم بھاوتا جہاں تھے سمادروپ سب میں وہی سروپ

جہاں تک جانم کی زبان کا تعلق ہے، انھوں نے اپنی زبان کو گجری کہا ہے:

سبب یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمة الحقائق
یہ سب گجری کیا بیان کر یہ آئینہ دیا نمان (ارشادنامہ)

چوں کہ جانم نے گجری کا لفظ زبان کے معنی میں استعمال کیا ہے جس سے بعض محققین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جانم یا ان کے خاندان کا تعلق گجرات سے رہا ہے اور اسی نسبت سے انھوں نے اپنی زبان کو گجری کہا ہے۔چناں چہ پروفیسر محمود شیرانی کہتے ہیں:

> وہ تمام دکنی علماء جو اپنی زبان کو گجری کہتے تھے درحقیقت گجرات ہی کے باشندے یا ان کے اولاد میں تھے، جنھوں نے دکن میں آکر بود وباش اختیار کی۔[16]

مولوی عبدالحق، نجیب اشرف ندوی اور بعض دوسرے علماء بھی پروفیسر شیرانی کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں لیکن جانم نے اپنی زبان کو ''گجری کے علاوہ'' ہندی بھی کہا ہے

یہ سب بولوں ہندی بول پر تو انھو سیتی کھول
عیب نہ راکھیں ہندی بول معنی تو چمک دیکھیں کھول
ہندی بولوں کیا بکھان جے گر پرساد تھا منجھ گیان
(ارشادنامہ)

جانم اگر گجرات سے اپنے اجداد کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی زبان کو ''گجری'' کہتے ہیں تو پھر زبان ہی کے معنی میں ''ہندی'' کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔گجری کا لفظ دراصل قدیم اردو کے مختلف ناموں جیسے ہندوی، ہندوستانی، زبان ہندوستان، ہندی، دہلوی، دکنی میں سے ایک ہے۔[17] اس کا گجرات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر زور کا یہ بیان کافی اہمیت رکھتا ہے کہ:

> اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجاپور آیا کرتے تھے۔وہاں کی سلطنت کے زوال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں بلایا۔ چناں چہ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں حصہ لیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجاپور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ برہان اپنی زبان کو گجری کہتے ہیں۔[18]

جانم نے اپنی زبان کو گجری اس لیے بھی کہا ہوگا کہ ان کے والد شمس العشاق اور دوسرے قدیم مصنفین کے ہاں زبان کے لیے ''دکنی'' کی اصطلاح عام نہیں ہوئی تھی۔بقول پروفیسر مسعود حسین خاں:

> اردو زبان کا دکنی نام بہت زیادہ قدیم نہیں عہد بہمنی کے کسی مصنف نے اپنی زبان کو دکنی کے نام سے نہیں پکارا۔اس کے ہندی، ہندوی اور گجری نام زیادہ قدیم ہیں۔[19]

لسانی خصوصیات: جانم کے کم وبیش سبھی نقادوں نے ان کی تصانیف کا لسانی جائزہ بھی لیا ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر یہاں چند لسانی خصوصیات پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

۱۔ دکنی کی عام لسانی خصوصیت حرفِ تخصیص ''چ'' یا ''چہ'' کا بکثرت استعمال جانم کے یہاں بھی موجود ہے۔جیسے توچ (تو ہی) وھیچ (وہی) ایکچ (ایک ہی)۔

۲۔ لفظوں کی جمع ''اں'' کے اضافے سے بنائی جاتی ہے جیسے: لوگاں، باتاں، کاماں، بندیاں (بندے کی جمع) بعضیاں (بعضے کی جمع) وغیرہ۔

۳۔ ''پنا'' کے لاحقے سے اسم مصدر کی مثالیں بھی بکثرت نظر آتی ہیں جیسے: جیو پنا، خداپنا، بندہ پنا، میں پنا، جان پنا وغیرہ۔

۴۔ اسم فاعل کے لیے ہارا اور ہار کے لاحقے کا بکثرت استعمال جیسے: سرجنہارا، سرجنہار، بھوگنہارا، بھوگنہار، دیکھنہارا، بوجھنہارا وغیرہ۔

۵۔ ماضی مطلق بنانے کے لیے علامت مصدر ''نا'' حذف کرکے ''یا'' کا اضافہ جیسے: کریا (کرنا) دیکھیا (دیکھنا) اٹھیا (اٹھنا)۔

۶۔ ہندی الفاظ اور جملوں کو واوِ عطف سے جوڑنا جیسے: پھل و پھول و کانٹا

۷۔ واو عطف والے الفاظ میں عموماً پہلے حرف پر ''بے'' یا ''لا'' کا اضافہ کیا جاتا ہے لیکن جانم نے دونوں لفظوں پر اس کا اضافہ کیا ہے۔ جیسے: بے چوں و بے چگونہ، لاشک ولاشبہ۔

۸۔ ایک حرف ربط کی جگہ دوسرے کا استعمال: جیسے: جامۂ پاکیزہ کرکر سکالینا بھی میلا کرنا (پھر کے بجائے بھی)۔

حوالہ جات

* سابق پروفیسر اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، انڈیا۔

۱۔ سیدہ جعفر، گیان چند جین، تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک، جلد دوم (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۲۴۳۔

۲۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو (کراچی، حیدرآباد، لاہور: اردو اکیڈیمی سندھ، ۱۹۸۸)، ص ۲۴۔

۳۔ شمس اللہ قادری، اردوئے قدیم (لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۲۸)، ص ۴۱۔

۴۔ رفیعہ سلطانہ، اردو نثر کا آغاز وارتقا (کراچی: کریم سنز، ۱۹۷۸)، ص ۵۸۔

۵۔ سیدہ جعفر، گیان چند جین، ص ۳۰۰۔

۶۔ محی الدین قادری زورؔ، تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو، جلد پنجم (حیدرآباد: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۵۹)، ص ۱۷۸۔

۷۔ حسینی شاہد، ''کلمۃ الحقائق: اردو نثر کا پہلا مستند نقش'' نوائے ادب (بمبئی، جولائی ۱۹۷۰): ص ۲۰۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ سیدہ جعفر، گیان چند جین، ص ۳۷۲۔

۱۰۔ شاہ برہان الدین جانم، کلمۃ الحقائق، مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی (حیدرآباد: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۶۱)، ص ۲۱۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۱۲۔ حسینی شاہد، ص ۲۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۱۔

۱۴۔ شاہ برہان الدین جانم، ارشاد نامہ، مرتبہ اکبرالدین صدیقی (حیدرآباد)، ص ۱۳۷۔

۱۵۔ محی الدین قادری زورؔ، ص ۹۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۹۴۔

۱۷۔ ڈاکٹر نذیر احمد، علی گڑھ تاریخ ادب اردو (علی گڑھ)، ص ۲۳۹۔

۱۸۔ سیدہ جعفر، گیان چند جین، ص ۳۶۸۔

۱۹۔ ایضاً۔

مآخذ

احمد، ڈاکٹر نذیر۔ علی گڑھ تاریخ ادب اردو۔ علی گڑھ۔ س۔ن۔

جانم، شاہ برہان الدین۔ ارشاد نامہ۔ مرتبہ اکبرالدین صدیقی۔ حیدرآباد، ۱۹۷۱ء۔

__________۔ کلمۃ الحقائق۔ مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی۔ حیدرآباد: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۶۱ء۔

جعفر، سیدہ۔ جین، گیان چند۔ تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک۔ جلد دوم۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء۔

زورؔ، محی الدین قادری۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو۔ جلد پنجم۔ حیدرآباد: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۵۹ء۔

سلطانہ، رفیعہ۔ اردو نثر کا آغاز وارتقا۔ کراچی: کریم سنز، ۱۹۷۸ء۔

شاہد، حسینی۔ ''کلمۃ الحقائق: اردو نثر کا پہلا مستند نقش''۔ نوائے ادب۔ (جولائی ۱۹۷۰ء)۔

قادری، حامد حسن۔ داستان تاریخ اردو۔ کراچی، حیدرآباد، لاہور: اردو اکیڈیمی سندھ، ۱۹۸۸ء۔

قادری، شمس اللہ۔ اردوئے قدیم۔ لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۲۸ء۔